

زندگی کے کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے بہت سے لوگ نظر آتے اور ملتے ہیں۔ اپنی اپنی مصر و فیت کی انگلی تھامے، اپنے اپنے مسائل کی گرہیں کھولتے، ذات کی الجھنوں کے سرے تلاش کرتے ہوئے۔ اور زندگی کا کارروائی جب دور طالب علمی سے گزرتا ہے تو یہ دوڑ اور بھی تیز ہوتی ہوئی دکھائی دینے لگتی ہے۔ داخلہ ہو جانے کی پریشانی، داخلے کے بعد گریڈ کی ہر وقت لٹکتی ہوئی تلوار، امتحان کی ٹینشن۔ الغرض بظاہر بے فکر نظر آنے والا ایک طالب علم کئی پریشانیوں کا ایک مکمل پیکچ ہوتا ہے۔ اور اس پر مسترزاداً گروہ طالب علم یا طالبہ کسی معذوری کے ساتھ ہو تو یہ پریشانیاں دو آتشہ ہو جاتی ہیں۔ کہیں سیڑھیاں ایک خوفناک سوالیہ نشان بننے لگتی ہیں تو کہیں وہیں چیزیں کھیڑک کے لئے دوسرا منزل پر مار کیٹنگ کی کلاس میں افسٹ کے بغیر جانا ناممکن ہے۔ ایسے میں بھلا کوئی اپنی ذات کے گرداب سے کیسے نکل سکتا ہے؟ آنکھا پنے سواد کیکھی ہی سکیا سکتی ہے؟ اپنے مسائل سے آگے بھائی دے بھی تو کیسے؟

انہی گونا گون اجھنوں کے حل تلاش کرتا ایک شخص آگے بڑھتا ہے اور ایک ایک کر کے وہ تمام کا نئے رستے سے ہٹانے لگتا ہے جو ایک وہیں چیز پڑھی ایم بی اے کی طالبہ کو درپیش تھیں۔ بہت تھوڑے عرصہ میں ہی وہ یو ایم ٹی جو لفٹ اور یہ پہ نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات کا انبار تھی، اپنا سیت کی گھنی چھاؤں لگنے لگی۔ ابتدائی مراحل کی آسانی کے بعد وہ مراحل آئے جہاں اکاؤنٹنگ اور کارپوریٹ فناں کا ڈراؤن خواب شب و روز کو حساب کتاب سکھانے لگا، بنس ریسرچ کے تقریباً جان لیوادورے پڑنے لگے، سٹریٹجک مارکیٹنگ کے فائل ٹرم جیسے عذاب آفریں واقعات و قوع پذیر ہونے لگے۔ ان دنوں کی یادیں گریڈز کی دوڑ اور سی جی پی اے کی جہد مسلسل سے عبارت ہیں۔ تمام اس خرابی و حالات کے عینی شاہد بھی ہیں اور ہم سفر بھی۔

لیکن یہی مشکلات آنے والے دنوں کی معمار تھیں جن سے گزار کر یو ایم ٹی نے مجھے جیسے خام مال کو زندگی کے معنی سمجھائے۔ مشکلات کے پہاڑ میں سے ثبت نتائج اخذ کرنے کا ہنر دیا۔ اپنے حقوق کے شعور کے ساتھ ساتھ معاشرہ کے بہتے دھارے میں اپنا حصہ ڈالنے کا فرض بھی چنکے سے میری زنبیل میں ڈال دیا اور اپنے وجود کو معاشرہ کا ایک کارآمد شہری بنانے کا ذوق اور جنون بھی یوں دان کر دیا کہ اپنے ذاتی مسائل کہیں پس پر دھا چھپے اور انہی مسائل کو اپنی طاقت بنانے کر جینا آگیا۔ وہ مسائل اب بھی ہر رستے میں موجود ہیں لیکن دیکھنے والی آنکھ اب انہیں ایک اور زاویے سے دیکھنے لگی ہے، ان میں سے دوسروں کے لئے آسانیاں کشید کرنے لگی ہے، ان کے حل تلاش کرنے لگی ہے۔ باہر کی دنیا دکھائی دینے لگے تو اپنی ذات کے دائرے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔

صاحب نظر کی صحبت میسر آئے تو وہ زمان و مکان کو جاں دیتی ہے۔ حسن صہیب مراد کو بھی یہی صحبت میسر آئی اور انہوں نے نظر کے اس ورثے کو پوری ایمانداری کے ساتھ سنبھالا اور آگے منتقل کیا۔ صحبت ایک لمحے کی ہو یا روز و شب کی، یکساں شمرا اور ہوتی ہے۔ اس کے لئے ملنا شرط نہیں، قطار میں کھڑے ہونا، موجود ہونا، ہی کافی ہے۔ دو کمروں کے ILM سے آغاز کر کے یو ایم ٹی اور دوسروں کی اداروں کا ایک سلسلہ نظر کے اسی فیض کا کرشمہ ہے۔ فیضان نظر کا یہ جھرنا اداروں کی شکل میں ہی تو ہوتا ہے۔ جب بھی حسن صہیب مراد کی ادارہ ساز شخصیت کی بات ہوتی ہے مجھے اپنے استاد محترم ڈاکٹر نوید یزدانی کی کلاس میں دی ہوئی ایک نصیحت یاد آتی ہے کہ حسن صہیب مراد کے سامنے

قرآن و حدیث کا کوئی غلط حوالہ نہ دے بیٹھنا، وہ قرآن و حدیث کے ماہر ہیں۔ اقبال کی سرگوشی کہیں بہت قریب سے سنائی دیتی ہے:

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل-غیاب و جستجو، عشق-حضور و اضطراب

فرد کی تعمیر سے لے کر ملت تک کے کام کا بوجھا نہیں کندھوں پر ڈالا جاتا ہے جو قرآن و حدیث کے سرچشمہ ہدایت سے ہمہ وقت فیض یافتہ ہوں۔

دوسری درس گاہوں کے بر عکس یواہیم ٹی نے ایک انوکھا کام یہ کیا کہ فارغ التحصیل ہونے والے کسی علم کے طالب کو ڈگری لینے کے بعد تھا نہیں رہنے دیا۔ ہر طرح کے معاملات کے لئے ایک دفتر بنادیا اور یوں ڈگری لے کر نکل جانے والے بھی لوٹ آئے اور اب تک آرہے ہیں۔ ملک کے اندر اور باہر موجود سینکڑوں ہزاروں UMTians اب بھی یواہیم ٹی سے وابستہ ہیں۔ ان میں ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو بغیر کسی معاوضے کے یواہیم ٹی کو وہ قرض لوٹانے آئے ہیں جو اس نے انکے شجریات کی آبیاری کی صورت میں انہیں دیا۔ ان کی زندگی میں یواہیم ٹی کی بھری ہوئی روشنی کے میان رجگہ جگہ نظر آتے ہیں ہر شہر، ہر ادارے، ہر ملک میں۔ ادارہ ساز لوگوں کی ایک بڑی پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ وقت سے آگے صرف دیکھتے ہی نہیں بلکہ اپنے زیر اثر لوگوں کو آنے والے موسموں تک رسائی بھی دے دیتے ہیں۔ Ilmians Executive Body Member کی حیثیت سے جب ان سے Ilmians Dinner کے لئے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ یواہیم ٹی یاد ماضی کا وہ خوبصورت گوشہ ہے جسے یہ سب بڑے فخر کے ساتھ سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں اور ایک فون کال پر مختلف شہروں سے آنے کے لئے تیار ہیں۔ یہی وہ کشش ہے جس کا نجح حسن صہیب مراد نے بویا اور یواہیم ٹی آج اس کا ثمر پار ہی ہے ورنہ اتنی مصروف زندگی سے کسے اتنی فرصت؟

ہم چھوٹے چھوٹے دیے جس چراغ سے جلا پا کر روشنی کے راستوں پر چلے، وہ چراغ ایک حادثے نے اچانک ہم سے چھین لیا۔ وہ چراغ کیا بجھا، ہمارے اندر چراغ در چراغ جل اٹھا۔ چراغوں کی ایک لمبی قطار ہے جس کے آخر پر حسن صہیب مراد کے نام کی مشعل ہے۔ روشنی کے تسلسل کا یہ صدقہ جاریہ مبارک ہو ڈا کٹر حسن صہیب مراد!

آنے والے زمانوں کو دیکھنے والی عینک دینے کا شکریہ۔ وہ آنکھ دینے کا شکریہ جو زندگی کو اس کے معنی سمجھا گئی۔ اس دیدہ عینا کا شکریہ جس کی سبیل سے فیضیاب ہونے والوں میں ہم جیسے بے مایل لوگ بھی شامل ہیں۔ اللہ بصیرتوں کی اس سبیل کو جاری و ساری اور ملک و ملت کے لئے مقبول فرمائے۔

صادقہ اشرف
ایم بی اے پروفیشنل